***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Protective Measures and Intelligence System during the Makan Period: An Analytical Study in the Light of the Prophetic Biography (Seerah)

مکی دور میں حفاظتی تدابیر اور انٹیلی جنس نظام: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Dr Muhammad Haroon
Assistant Professor Department of Islamic Studies University of Sargodha
muhammad.haroon@uos.edu.pk
Zulfiqar Ali
Lecturer (V) Department of Islamic Studies University of Sargodha
hafizzulfiqarali1996@gmail.com
Abdullah Ijaz
Lecturer in Islamic Studies Govt. Graduate College Bhalwal
abdullahwarraich2010@gmail.com

Abstract

This study examines the protective and intelligence strategies adopted during the Makan period of the Prophet Muhammad's (peace be upon him) mission. Security and intelligence have always been fundamental to the survival of states and societies, and the early Muslim community, though weak and persecuted, exemplified a remarkable security-conscious approach under the Prophet's guidance. The research highlights how secret planning, careful selection of safe meeting places (such as Dār al-Arqam), migration to Abyssinia as a secure refuge, and the confidentiality of the Bayʿat al-ʿAqaba meetings ensured the survival and gradual spread of Islam. Findings demonstrate that the Makkan experience laid the foundation for the structured security framework of the later Madinan state. Unlike other civilizations, Islam integrated intelligence within an ethical framework, rejecting immoral methods such as bribery, deceit, and exploitation, while legitimizing vigilance against enemies for the preservation of faith and community. The paper concludes that the Prophetic model provides timeless lessons for contemporary Muslim states, suggesting that modern intelligence institutions should operate within Qur'ānic and Prophetic principles. It also recommends the establishment of "Islamic Security Studies" as an academic discipline to address present-day challenges in light of Islamic teachings.

Keywords: *Prophetic Seerah, Makkan Period, Islamic Intelligence, Security Strategies, National Security, Ethical Framework.*

موضوع کا تعارف

ریاستوں اور معاشروں کی بقا ہمیشہ سے سیکیورٹی اور انٹیلی جنس پر منحصر رہی ہے، کیونکہ طاقت، علم اور وسائل کے باوجود اگر کسی قوم کے پاس اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا نظام نہ ہو تو وہ اندرونی و بیرونی دشمنوں کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے۔ یہ اصول صرف جدید دنیا پر ہی لاگو نہیں ہوتا بلکہ تاریخ انسانی کے ہر دور میں یہی حقیقت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن

مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں ہُدہُد کا ذکر اسی پہلو کو اجاگر کرتا ہے کہ ریاستوں اور سلطنتوں کی کامیابی درست معلومات اور دشمن کے بارے میں آگاہی پر قائم ہوتی ہے: ﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ﴾[1]۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انٹیلی جنس اور بروقت معلومات نہ صرف ایک معاشرتی ضرورت ہیں بلکہ انبیائے کرام کے نظامِ حکمرانی میں بھی ان کی حیثیت بنیادی ہے۔ اسلامی تاریخ میں رسول اکرم ﷺ کا دورِ مکہ ان حفاظتی تدابیر اور انٹیلی جنس اقدامات کا پہلا عملی نمونہ ہے، جو ایک کمزور اور محصور جماعت نے ایک طاقتور قریشی معاشرے کے مقابلے میں اختیار کیا۔

مکی دور کی حساسیت اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ ایک طرف قریش کی سیاسی، معاشی اور فوجی برتری تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد محدود اور وسائل نہایت کمزور تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ مسلسل پھیلایا اور بالآخر اسے مدینہ منورہ میں ریاستی نظام کی شکل دی۔ یہ کامیابی اچانک نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے وہ حکمت عملی تھی جس میں کتمانِ سر، بروقت معلومات، چھوٹے گروپوں میں منظم تربیت، دشمن پر نظر اور موقع کی مناسبت سے ہجرت جیسے اقدامات شامل تھے۔ یہی وہ پہلو ہے جس پر یہ تحقیق مرکوز ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں اپنے ساتھیوں اور دعوت کے تحفظ کے لیے کس طرح کی حفاظتی اور انٹیلی جنس حکمتِ عملی اپنائی۔ مکی معاشرتی و سیاسی حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ دعوتِ اسلامیہ کھلم کھلا قریش کے سامنے نہ لائی جائے۔ چنانچہ ابتدائی تین برسوں میں دعوت خفیہ رکھی گئی، اور اس مقصد کے لیے ایک محفوظ مرکز "دار الارقم" قائم کیا گیا جہاں چھوٹے چھوٹے حلقوں میں صحابہ کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اس رازداری کی پالیسی اس وقت کے حالات کے عین مطابق تھی، کیونکہ اگر ابتدا ہی میں دعوت کو اعلانیہ انداز میں پیش کیا جاتا تو قریش اسے جڑ سے اکھاڑ دیتے۔ یہی پہلا بڑا اسبق ہے جو سیرتِ نبوی ﷺ ہمیں انٹیلی جنس اور سیکیورٹی کے باب میں فراہم کرتی ہے کہ دشمن کی طاقت اور اپنے وسائل کا صحیح تجزیہ کرتے ہوئے حالات کے مطابق پالیسی اپنائی جائے۔ قریش نے جیسے ہی اسلام کے پھیلنے کی خبر سنی تو اس کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔ مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کے لیے گھاٹیوں اور پہاڑوں کا سہارا لینا پڑتا تاکہ قریش کی آنکھوں سے بچ سکیں۔ ان مواقع پر بعض اوقات جھڑپیں بھی ہوئیں، مثلاً سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک مشرک کا زخمی ہونا، جو اسلامی تاریخ میں پہلا خون کہلاتا ہے۔ یہ واقعات اس بات کی علامت ہیں کہ قریش اپنی جاسوسی اور نگرانی میں کتنے سخت تھے، اور مسلمانوں نے کس حکمت سے اپنی سرگرمیوں کو خفیہ رکھا۔ ان حالات میں حفاظتی اقدامات محض وقتی تدابیر نہیں تھے بلکہ ایک سوچے سمجھے نظام کا حصہ تھے۔

---

[1] النمل:22

اسی پس منظر میں ہجرتِ حبشہ کو بھی سمجھنا چاہیے۔ بظاہر یہ ایک جبر کے نتیجے میں کی گئی ہجرت تھی مگر حقیقت میں یہ نبی کریم ﷺ کی انٹیلی جنس بصیرت تھی کہ ایک ایسا ملک منتخب کیا جائے جو غیر جانب دار اور محفوظ ہو۔ حبشہ کی آزاد حکومت، نجاشی کی نرم دلی اور قریش کے اثر و رسوخ سے اس کا باہر ہونا اس فیصلے کے پیچھے حکمت تھی۔ یہ دراصل ایک حفاظتی اقدام تھا تاکہ دعوت کے حاملین کو محفوظ رکھا جائے اور اگر مکہ میں دباؤ بڑھ جائے تو اسلام کے لیے ایک متبادل پناہ گاہ موجود ہو۔ یہ ہجرت ثابت کرتی ہے کہ حفاظتی اقدامات میں دشمن کی طاقت کے ساتھ ساتھ دوستوں اور ممکنہ اتحادیوں کی معلومات بھی انتہائی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے بعد بیعت عقبہ کے واقعات رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ درجے کی سیکیورٹی حکمت عملی کی عکاسی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے رات کا وہ وقت منتخب کیا جب قریش سوئے ہوئے تھے، اس موقع پر اپنے صحابہ کو خاموش رہنے کی تاکید کی، اور حضرت علیؓ و ابو بکرؓ کو پہرے پر مقرر کیا۔ یہ سارے اقدامات اس بات کا ثبوت ہیں کہ مکی دور میں مسلمانوں نے اپنی دعوت کے تحفظ کے لیے باقاعدہ انٹیلی جنس نظام قائم کیا تھا۔ یہ نظام اگرچہ آج کے ادارہ جاتی Intelligence Agencies کی طرح رسمی نہ تھا لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت مربوط اور مؤثر تھا۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں جاسوسی کے دائرے اور حدود کیا ہیں؟ قرآن نے "وَلَا تَجَسَّسُوا"[2] کہہ کر بلاوجہ دوسروں کے عیوب تلاش کرنے سے منع فرمایا، مگر دوسری طرف دشمن کے خلاف احتیاطی تدابیر کو "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ"[3] کے تحت جائز قرار دیا۔ گویا اسلام میں انٹیلی جنس کا مقصد دوسروں کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہیں بلکہ اجتماعی بقا، امنِ عامہ اور دشمن کی سازشوں سے حفاظت ہے۔ یہی وہ فرق ہے جو اسلامی تصورِ استخبارات کو دوسری تہذیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

اس تحقیقی مطالعہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں محدود وسائل کے باوجود اپنے پیغام کو محفوظ رکھا اور ساتھیوں کو ایسی تربیت دی کہ وہ کسی بھی سخت ماحول میں اپنی دعوت جاری رکھ سکیں۔ یہ سیکیورٹی اور انٹیلی جنس کے اصول نہ صرف اُس وقت کی کامیابی کی بنیاد بنے بلکہ بعد کے مدنی دور میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اس کے دفاع کے لیے عملی ڈھانچے کی صورت میں سامنے آئے۔

تحقیق کا طریقہ کار یہی ہے کہ بنیادی ماخذات جیسے کتبِ سیرت (ابن اسحاق، ابن ہشام، طبری وغیرہ)، احادیثِ نبویہ اور قرآن مجید کی روشنی میں ان واقعات کا تجزیہ کیا جائے، نیز جدید انٹیلی جنس کے اصولوں کے ساتھ اس کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جائے تاکہ واضح ہو سکے کہ کس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے ابتدائی ساتھیوں کو ایک ایسی فکری و عملی تربیت دی جس

---

[2] الحجرات:12

[3] الانفال:60

نے انہیں نہ صرف ایمان پر قائم رکھا بلکہ ایک مضبوط ریاست کی بنیاد رکھنے کے قابل بھی بنایا۔یوں اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ مکی دور کی حفاظتی تدابیر اور انٹیلی جنس نظام کو سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں سمجھا جائے اور اس کے وہ پہلو نمایاں کیے جائیں جو آج کے مسلم معاشروں کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے مکی دور محض ایک تاریخی مرحلہ نہیں بلکہ ایک ایسا تعلیمی و تربیتی ماڈل ہے جو مسلم دنیا کو یہ سبق دیتا ہے کہ کمزور ترین حالات میں بھی اگر درست انٹیلی جنس حکمت عملی اپنائی جائے تو دعوت اور نظام دونوں کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ عربی زبان میں انٹیلی جنس نظام کو استخبار یا استخبارات کہا جاتا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکی دور کے انٹیلی جنس نظام کے بارے میں جاننے سے قبل استخبارات کا مفہوم اور اس کا تاریخی پس منظر جان لیا جائے:

استخبارات کا مفہوم اور تاریخی پس منظر

''استخبارات'' کا لفظ عربی مادہ خ ب ر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں خبر طلب کرنا یا کسی معاملے کی حقیقت دریافت کرنا۔ لغوی اعتبار سے "استخبار" کا مطلب ہے پوچھنا، دریافت کرنا یا کسی امر کی حقیقت معلوم کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:"اِسْتَخْبَرَهُ عَنْ أَحْوَالِهِ أَيْ سَأَلَهُ عَنْهَا"[4]یعنی "اُس سے اس کے حالات کے بارے میں دریافت کیا۔" اسی طرح "استخبره الخبر أو الحقيقة" کے معنی ہیں "اس سے حقیقتِ حال جاننے کی کوشش کی۔" یہ لغوی تعریف واضح کرتی ہے کہ استخبارات دراصل کسی شے یا معاملے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے عمل کا نام ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے اسلامی اور عسکری لٹریچر میں "استخبارات" سے مراد وہ منظم تدابیر اور اقدامات ہیں جن کے ذریعے ریاست یا جماعت اپنے دشمن کے حالات، قوت اور کمزوریوں کے بارے میں معلومات جمع کرے، تاکہ دفاع یا حملے میں درست فیصلہ کیا جا سکے۔ اسی وجہ سے قدیم مسلم عسکری متون میں "عیون" (یعنی آنکھیں) کا لفظ جاسوسوں اور خفیہ کارندوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام خلیل بن احمد الفراہیدی نے اپنی کتاب العین میں "العیون" کو ان افراد کے لیے استعمال کیا ہے جو دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔[5] یہی تصور بعد کے ادوار میں "جاسوس" اور "مخبر" جیسے الفاظ سے جڑا، لیکن اسلامی روایت میں اس کا اخلاقی اور قانونی دائرہ کار ہمیشہ واضح رہا۔

استخبارات کا تاریخی پس منظر

تاریخی اعتبار سے استخبارات کا وجود انسانی معاشروں میں قدیم ترین دور سے ملتا ہے۔ مصر کے فرعون اپنے سلطنتی نظم و نسق کے تحفظ کے لیے جاسوس بھیجتے تھے جو شمالی و جنوبی علاقوں سے خبریں پہنچاتے۔[6] اسی طرح چین میں چوتھی صدی

[4] ابن منظور، لسان العرب، قاہرہ: المؤسّسۃ المصریۃ، 1976، ج7، ص337

[5] الخلیل بن احمد الفراہیدی، کتاب العین، تحقیق: مہدی المخزومی، بغداد: دار الرشید، 1984، ج2، ص255

[6] صلاح نصر، الحرب النفسیۃ، قاہرہ: دار القاهرة، 1967 (2ایڈیشن)، ج1، ص56

قبل مسیح کے مشہور عسکری ماہر "سن تزو" نے اپنی کتاب فن الحرب میں جاسوسی کو ریاستی پالیسی کا لازمی حصہ قرار دیا اور مختلف قسم کے ایجنٹوں کا ذکر کیا۔[7] ہندو مت میں کوٹیلیا کی ارتھ شاستر میں دشمن کے لشکر میں ایجنٹ داخل کرنے اور جھوٹی خبریں پھیلانے کی تاکید موجود ہے۔[8] یونانی ادب میں الیاذہ اور اوڈیسی جیسی تخلیقات بھی خفیہ تدابیر اور جاسوسی کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ استخبارات کا فن کسی ایک تہذیب یا قوم تک محدود نہیں بلکہ یہ ریاستوں اور سلطنتوں کی بقا کے ساتھ وابستہ ایک عالمی روایت رہا ہے۔

اسلام نے اس عالمی روایت کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے اخلاقی حدود کا پابند بھی بنایا۔ قرآن نے "تجسس" کو منفی انداز میں (یعنی مومن بھائی کے عیب تلاش کرنے کے معنی میں) منع کیا: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾[9]، لیکن دشمن کے خلاف احتیاطی تدابیر کو مشروع قرار دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے مکی دور میں اپنی دعوت اور ساتھیوں کے تحفظ کے لیے جس انداز سے خفیہ حکمت عملی اپنائی، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں "استخبارات" محض ایک عسکری ضرورت نہیں بلکہ ایک منظم اور اخلاقی فریم ورک ہے جس کے ذریعے معاشرے اور دین کی حفاظت کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

قدیم تہذیبوں میں جاسوسی اور حفاظتی تدابیر ریاستی بقا کا لازمی حصہ رہی ہیں۔ فرعونی سلطنت کے نقوش اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مصر کے فرعون جاسوسوں کو شمالی اور جنوبی مصر کے مختلف علاقوں میں بھیجتے تھے تاکہ بغاوتوں اور بیرونی حملوں کی بروقت خبر مل سکے۔ چینی تہذیب میں سن تزو(Sun Tzu) کی مشہور تصنیف فن الحرب میں دشمن کی صفوں میں جاسوس داخل کرنے اور داخلی خلفشار پیدا کرنے کے اصول بیان کیے گئے ہیں، جنہیں بعد کی صدیوں میں چینی فوجی نظام کا بنیادی حصہ بنایا گیا۔ ہندو مت میں کوٹیلیا کی ارتھ شاستر واضح کرتی ہے کہ قدیم ہندو ریاستیں نہ صرف دشمن کی خبریں اکٹھی کرتی تھیں بلکہ افواہیں پھیلا کر مخالف معاشروں کو کمزور کرنے کی تدابیر بھی استعمال کرتی تھیں۔ یونانی دنیا میں بھی جاسوسی کا فن نمایاں رہا، جیسا کہ الیاذہ اور اوڈیسی جیسے ادبی متون میں دشمن کی صفوں میں داخل ہونے والے کردار اور خفیہ منصوبہ بندی کی جھلکیاں موجود ہیں۔ یہ تمام مثالیں بتاتی ہیں کہ استخبارات کا فن انسانی تہذیب کے قدیم ترین مراحل سے ہی ریاستی پالیسی کا حصہ رہا ہے۔

یہودی و عیسائی کتب میں جاسوسی کا تصور

یہودی و عیسائی الہامی کتب میں بھی جاسوسی اور انٹیلی جنس کے کئی حوالہ جات ملتے ہیں۔ بائبل کے سفر التثنیہ میں موسیٰ علیہ السلام کا بارہ قبیلوں میں سے بارہ افراد کو کنعان کی سرزمین کی خبر لانے کے لیے بھیجنا، ایک باقاعدہ انٹیلی جنس مہم کی

---

[7] سون تزو، فن الحرب، مترجم: ہشام البطل، قاہرہ: مکتبۃ النافذۃ، 1999، ص 3-5

[8] کوٹیلیا، ارتھ شاستر، مترجم: آر۔ شاماساسٹری، بنگلور: گورنمنٹ پریس، 1915، ص 112-115

[9] الحجرات: 12

حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کتابِ یشوع میں راحاب نامی عورت کا ذکر آتا ہے جس نے اسرائیلی جاسوسوں کو چھپایا اور ان کی جان بچائی۔ انجیل کے مختلف نصوص بھی اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ رومی سلطنت اور یہودی قیادت اپنے مخالفین پر نظر رکھنے کے لیے جاسوسی کے نظام کو بروئے کار لاتے تھے۔ ان مثالوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ الہامی مذاہب میں بھی انٹیلی جنس کو ایک لازمی سیاسی و عسکری تدبیر سمجھا جاتا تھا، اگرچہ اس کے اخلاقی اور مذہبی جواز پر مختلف تعبیرات موجود رہیں۔

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں بھی حفاظتی اور قبائلی سسٹم موجود تھا۔ جزیرہ نما عرب کا معاشرتی ڈھانچہ قبائل پر مبنی تھا اور ہر قبیلہ اپنی جان، مال اور عزت کے تحفظ کے لیے خود مختار حفاظتی نظام رکھتا تھا۔ قبیلوی دشمنیوں اور غارت گری کے خطرات کے سبب، ہر قبیلے میں "عیون" (نگرانی کرنے والے افراد) اور "رُقباء" (چوکی دار) مقرر کیے جاتے تھے جو قافلوں کی حفاظت اور دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کی قریشی قیادت تجارتی قافلوں کے تحفظ کے لیے اجتماعی معاہدے کرتی اور مختلف راستوں پر محافظ مقرر کرتی تھی۔ یہ ابتدائی حفاظتی انتظامات بظاہر غیر منظم تھے لیکن انہوں نے عرب معاشرے کو ایک طرح کا "قبائلی انٹیلی جنس سسٹم" فراہم کیا، جسے بعد میں اسلام نے منظم اور اخلاقی دائرہ کار میں پرو دیا۔

اسلام میں انٹیلی جنس اور سیکیورٹی کے اصول

اسلام نے زندگی کے ہر شعبے کو اخلاقیات کے ساتھ جوڑا ہے، اور یہی اصول انٹیلی جنس اور سیکیورٹی پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ قرآن و سنت میں جہاں تجسس اور دوسروں کی پرائیویسی میں مداخلت سے منع کیا گیا ہے، وہیں دشمن کے خلاف تدابیر اختیار کرنے اور ان کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کو جائز اور بعض صورتوں میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے "انٹیلی جنس" کو محض ایک عسکری ضرورت نہیں بلکہ ایک اخلاقی و شرعی دائرہ کار کے اندر منظم کیا ہے

تجسس اور کتمان کے احکام

قرآن مجید میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا﴾[10]۔ اس آیت میں بلاوجہ تجسس اور دوسروں کے راز ٹٹولنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے معاشرتی بدگمانی، عیب جوئی اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ مفسرین نے واضح کیا ہے کہ "تجسس" سے مراد مومن بھائی کی پردہ پوشیدہ باتوں کی جستجو کرنا ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں: "التجسس أن تتبع عيب أخيك لتطلع على سره" یعنی "تجسس یہ ہے کہ اپنے بھائی کے عیب تلاش کرے اور اس کے راز پر مطلع ہو۔" اس بنا پر اسلام میں تجسس (spying) دو

[10] الحجرات:12

طرح کا ہے: (الف) وہ تجسس جو معاشرتی زندگی اور مسلمانوں کی ذاتی حرمت کے خلاف ہو؛ یہ حرام اور سخت ممنوع ہے، (ب) وہ تجسس جو دشمن کے خلاف ہو اور امتِ مسلمہ کی حفاظت کے لیے کیا جائے؛ یہ مشروع اور جائز ہے۔

اخلاقی حدود

اسلام نے واضح کیا کہ سیکیورٹی کے نام پر فحاشی، رشوت، دھوکہ دہی، جھوٹ یا جسم فروشی جیسے مکروہ ذرائع کو کبھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ میں بعض اقوام نے دشمن پر نظر رکھنے کے لیے عورتوں کو بطور "ایجنٹ" استعمال کیا، یا مخالف کے راز معلوم کرنے کے لیے غیر اخلاقی حربے اپنائے، مگر اسلام نے اس کی ممانعت کی۔ نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا[11]" (اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے)۔ اس اصول کی روشنی میں اسلامی انٹیلی جنس کا ہر قدم اخلاقی دائرے کے اندر رہنا چاہیے، اور اس کی حدود قرآن و سنت نے متعین کی ہیں۔

دشمن کے خلاف معلومات جمع کرنے کی مشروعیت

اسلامی شریعت نے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور ان کی تیاریوں سے آگاہ ہونے کو مشروع قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کا حکم ہے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ[12]﴾۔ اس آیت میں "اعداد" (تیاری) میں دشمن کی حالت، قوت اور منصوبوں کا علم بھی شامل ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے غزوات اور مہمات میں "عیون" (مخبر) مقرر کیے اور دشمن کی صفوں میں داخل ہو کر معلومات لانے والے صحابہ کو خصوصی ذمہ داریاں دیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں واضح کیا ہے کہ "الجاسوس هو العين والعين هو الجاسوس" یعنی "جاسوس کو عین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن پر اپنی آنکھ سے نظر رکھتا ہے۔"[13] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی انٹیلی جنس، دشمن کی نگرانی کے لیے ایک شرعی ضرورت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں حسِ امنی

رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں مکی دور ہی سے حسِ امنی (Security Consciousness) نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے دعوت کے ابتدائی تین برسوں میں اسے خفیہ رکھا تاکہ دشمن کے حملے سے بچا جا سکے۔ دارِ ارقم میں خفیہ تعلیم کا سلسلہ اور صحابہ کو چھوٹے گروپوں میں منظم کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مربوط حکمت عملی اپنائی۔ اسی طرح بیعتِ عقبہ کے موقع پر آپ ﷺ نے رات کا آخری پہر منتخب کیا، صحابہ کو آوازیں کم رکھنے کی ہدایت دی اور حضرت علیؓ و ابو بکرؓ کو "عین" کے طور پر تعینات فرمایا تاکہ دشمن کی نقل و

---

[11] مسلم القشیری، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، قاہرہ: مطبعۃ الهروی، 1377ھ، ج2، ص67

[12] الانفال:60

[13] امام نووی، شرح صحیح مسلم، بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1392ھ، ج2، ص140

حرکت پر نظر رکھی جاسکے۔ یہ سب تدابیر دراصل اس بات کا عملی ثبوت ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مکی دور میں ہی اپنے ساتھیوں کو سیکیورٹی کے اصول سکھا دیے۔

مکی دور میں حفاظتی و انٹیلی جنس تدابیر

ابتدائی خفیہ دعوت اور تنظیمی حکمتِ عملی

اسلامی دعوت کے آغاز ہی سے نبی کریم ﷺ نے اس حقیقت کو پیش نظر رکھا کہ قریش ایک طاقتور سیاسی و اقتصادی قوت ہیں اور وہ اپنے مفادات کو چیلنج کرنے والی کسی بھی تحریک کو برداشت نہیں کریں گے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق ابتدائی تین سال تک دعوت کو خفیہ رکھنے کی پالیسی اپنائی۔ قرآن نے اس مرحلے کو یوں بیان کیا: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾[14]، یعنی "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ"۔ اس آیت کے نزول کے بعد بھی دعوت محدود حلقے میں رہی تاکہ قریش کی مزاحمت کے سامنے اس کے بنیادی ڈھانچے کو نقصان نہ پہنچے۔ یہ حکمتِ عملی دراصل سیکیورٹی اور انٹیلی جنس کا پہلا عملی سبق تھی، جس میں دشمن کی طاقت، حالات کی نزاکت اور اپنے وسائل کو سامنے رکھ کر حکمت عملی وضع کی گئی۔

اس خفیہ دعوت کے لیے ایک محفوظ مرکز "دار الارقم بن ابی الارقم" منتخب کیا گیا۔ یہ مکان نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے قریش کی نظروں سے اوجھل تھا بلکہ اس کے مالک نوجوان الارقم بن ابی الارقم ابھی تک قریش کی قیادت کے لیے غیر معروف تھے، اس لیے قریش کو شبہ بھی نہ ہوا کہ یہاں کوئی بڑا دینی و فکری اجتماع ہو رہا ہے۔ مورخین نے اس فیصلے کو نبی کریم ﷺ کی دور اندیشی اور "حسنِ امنی" کا شاہکار قرار دیا ہے۔ دار الارقم دراصل اسلامی دعوت کا پہلا خفیہ "ہیڈ کوارٹر" تھا جہاں نئے مسلمان تربیت حاصل کرتے، قرآن سنتے اور عملی طور پر دعوتی سرگرمیوں کے لیے تیار ہوتے۔ یہ ایک طرح کی ابتدائی "انٹیلی جنس سیل" بھی تھا جہاں مسلمانوں کو اپنے کردار کو چھپانے، دشمن پر نظر رکھنے اور سیکیورٹی اصولوں کے مطابق چلنے کی تعلیم دی جاتی۔[15]

مزید بر آں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو چھوٹے چھوٹے گروہوں (اُسرہ) میں منظم کیا۔ یہ تنظیمی ماڈل اس لحاظ سے غیر معمولی تھا کہ ہر چھوٹے گروہ کو خفیہ طور پر تربیت دی جاتی، قرآن مجید سکھایا جاتا، اور ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ تعلق قائم کیا جاتا۔ ان چھوٹے گروہوں میں اگر کوئی ایک فرد گرفت میں آتا تو پورے نظام پر زد نہیں پڑتی۔ یہ حکمت

---

[14] الشعراء:214

[15] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار المعرفۃ، 1990، ج1، ص265

عملی نہ صرف دعوت کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ بنی بلکہ اس نے مسلمانوں میں "اجتماعی مزاج" اور "اعلیٰ درجے کی نظم وضبط" پیدا کیا۔[16] یہی نظام بعد میں مدینہ میں ایک مضبوط ریاستی ڈھانچے کی بنیاد بنا۔

اس سارے مرحلے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی خفیہ دعوت اور تنظیمی حکمت عملی مکی دور میں مسلمانوں کی بقا کا بنیادی ذریعہ بنی۔ دار الارقم اور چھوٹے گروہوں کی پالیسی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے محدود وسائل کے باوجود اپنی دعوت کے تحفظ کے لیے مربوط انٹیلی جنس اور سیکیورٹی اقدامات اختیار کیے۔ یہ نہ صرف اُس وقت کی کامیابی کی بنیاد تھی بلکہ بعد کے ادوار میں اسلامی ریاست کے سیکیورٹی ماڈل کے لیے بھی سنگِ میل ثابت ہوئی۔

قریش کی نگرانی اور مسلمانوں کا ردِ عمل

جب اسلام نے خفیہ دعوت کے بعد آہستہ آہستہ زیادہ افراد کو اپنی طرف مائل کیا تو قریش کی تشویش بڑھنے لگی۔ وہ جان گئے تھے کہ اگر یہ دعوت پھیل گئی تو ان کی سیاسی، مذہبی اور معاشی برتری خطرے میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی شروع کی۔ مکہ کے بڑے سردار اپنے کارندوں کو مختلف گھاٹیوں اور راستوں پر متعین کرتے تاکہ دیکھ سکیں کہ کہاں کون جمع ہو رہا ہے اور کیا سرگرمیاں ہو رہی ہیں۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ قریش نے "عُیون" (جاسوس) مقرر کیے تھے جو مسلمانوں کے اجتماعات پر نظر رکھتے اور ان کی سرگرمیوں کی رپورٹ سردارانِ قریش کو پہنچاتے۔[17] یہ دراصل ابتدائی مکی دور کا ایک باقاعدہ "سیکیورٹی اپریشن" تھا جس کا مقصد مسلمانوں کو خوف زدہ کرنا اور ان کی سرگرمیوں کو دبانا تھا۔

اس کڑی نگرانی کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ کو اپنی عبادات خفیہ طور پر انجام دینی پڑیں۔ وہ کھلے میدان میں نماز پڑھنے سے ہچکچاتے اور اکثر و بیشتر گھاٹیوں، پہاڑوں اور وادیوں کا سہارا لیتے تاکہ قریش کی نظروں سے بچ سکیں۔ قرآن نے ابتدائی مسلمانوں کی اس کیفیت کو "وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ" [18] کے الفاظ میں بیان کیا کہ وہ زمین میں کمزور تھے اور لوگوں کے پکڑ لینے سے ڈرتے تھے۔ یہ خوف ہی ان کی حکمت عملی کو تشکیل دیتا کہ وہ اجتماعی عبادات اور قرآن کی تلاوت کو صحراؤں میں چھپ کر ادا کرتے۔ اس کا مقصد نہ صرف عبادت کی حفاظت تھا بلکہ اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ دشمن ان کے خفیہ نظام کو نہ جان سکے۔[19]

---

[16] محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ للعصر النبوی والخلافۃ الراشدۃ، بیروت: دار النفائس، 1985، ص45

[17] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار المعرفۃ، 1990، ج1، ص270

[18] الانفال:26

[19] الأنفال:26

تاہم بعض اوقات اس خفیہ پالیسی کے باوجود قریش اور مسلمانوں کے درمیان براہِ راست جھڑپ بھی ہو جاتی۔ سب سے پہلا واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ چند صحابہ کے ساتھ مکہ کے ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ قریش کے کچھ افراد وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے لگے۔ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی اور حضرت سعدؓ نے ایک ہڈی یا لکڑی کے ٹکڑے سے ایک مشرک کو زخمی کر دیا۔ مورخین کے مطابق یہ اسلام میں "پہلا خون" تھا جو اللہ کے دین کی خاطر بہایا گیا۔[20] یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کی خفیہ حکمت عملی کے باوجود قریش کی جاسوسی اور کڑی نگرانی نے ان پر دباؤ برقرار رکھا، مگر مسلمان اس کے باوجود عبادات اور دعوتِ دین سے باز نہ آئے۔

یہ تمام پہلو مکی دور کے مسلمانوں کی اس "حسّ امنی" کو ظاہر کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں پیدا کی۔ ایک طرف وہ قریش کی سخت نگرانی کے باوجود عبادات کو ترک نہیں کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے خفیہ نیٹ ورک کو محفوظ رکھتے تھے۔ ان کے ردِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکیورٹی کے دباؤ میں بھی ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے اور یہ کہ انٹیلی جنس کی تدابیر صرف دشمن کی سازشوں سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ ایمان کو زندہ رکھنے کے لیے بھی ضروری ہیں۔

حبشہ کی طرف ہجرت: حفاظتی حکمتِ عملی

مکی دور کی سخت گیر حالاتِ عتاب اور قریش کے مظالم نے مسلمانوں کو ابتدائی طور پر اپنی دعوت و شعائر کو محفوظ رکھنے کے لیے کئی حفاظتی راستے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ حبشہ کی طرف ہجرت (الهجرة إلى الحبشة) کو محض اذیت و عذاب سے فرار کے طور پر دیکھنا نامکمل فہم ہوگا؛ بلکہ یہ ایک محتاط اور دور رس سیاسی-سیکیورٹی فیصلہ تھا جس کا مقصد ایک محفوظ پناہ گاہ قائم کرنا تھا جہاں دعوت کے حاملین آزادیِ مذہب کے ساتھ زندگی گزار سکیں اور دعوت کو کسی مستقل بربادی سے بچایا جا سکے۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو حبشہ کے انتخاب میں چند کلیدی محرکات کارفرما تھے: (أ) حبشہ کی آزاد اور مستحکم حکومت تھی جو مہاجرین کو پناہ دیتی، (ب) وہاں کا حکمران (نجاشی) رواداری اور انصاف پسند مانا جاتا تھا، اور (ج) حبشہ کا جغرافیائی و سیاسی دائرہ قریش کے اثر و رسوخ سے نسبتاً بعید تھا، اس لیے وہ وہاں پہنچ کر براہِ راست قریشی دباؤ کا سامنا نہیں کرتے۔[21]

نبی کریم ﷺ کا حبشہ کے حالات پر تجزیہ اور اس کی بنیاد پر درست سیاسی فیصلہ ہی اس انتخاب کی بنیاد رہا۔ آپ ﷺ نے معلومات اکٹھی کیں، دستیاب آپشنز کا وزن کیا اور ایسے ملک کا انتخاب کیا جو مذہبی آزادی اور تحفظ فراہم کر سکے۔ یہ فیصلہ محض جذباتی یا عارضی پر اکسیس نہ تھا بلکہ ایک شعوری انٹیلی جنس-بیسڈ حکمتِ عملی تھی جس میں دشمن کی قوت،

[20] محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، 1967، ج2، ص 321

[21] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار المعارف،، ج1، ص285–288

مقامی اقتدار کے رویّے اور ممکنہ اتحادیوں کی آزمائش شامل تھی۔ اسی تدبیر کا عملی اظہار یہ ہے کہ ہجرت حبشہ کی پہلی لہر میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو براہِ راست قبائلی یا سماجی دباؤ میں تھے—لیکن وہ سب اس مقصد کے تحت منتخب کیے گئے تھے کہ دعوت کے حاملین ایک مضبوط اور محفوظ بیس بنا لیں۔[22] ہجرت کے خفیہ انتظامات (وقت، راستہ اور افراد کا انتخاب) بھی انتہائی منظم اور حکمت عملی پر مبنی تھے۔ وقت کے انتخاب میں رات کی تاریکی، اور کبھی- کبھی وہ مخصوص اوقات منتخب کیے گئے جب قریش کی نگہداشت نسبتاً کم ہو؛ راستوں کا انتخاب اس طرح کیا گیا کہ تیز رفتار کاروائی یا مستعد نگرانی سے بچا جا سکے؛ اور افراد کا انتخاب اسی اصول پر مبنی تھا کہ جو لوگ سفر کی مشقت برداشت کر سکیں، راز داری قائم رکھ سکیں اور ضرورت پر موقع پر موزوں نمائندگی یا رابطہ کاری ممکن بنا سکیں۔ روایتوں میں ملاحظہ ہوتا ہے کہ بعض گروہ چپکے سے اور جدا جدا نکلا کرتے تھے تاکہ ایک ساتھ نکلنے سے اطلاع پھیلنے کے خطرے سے بچا جا سکے، اور بعض نے قافلوں کے درمیان چھپ کر سفر اختیار کیا۔[23] یہاں ایک اہم نقطہ یہ ہے کہ حبشہ ہجرت کے دوران حاصل شدہ تجربات نے بعد میں مدنی دور میں حکمتِ عملی کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ہجرت نے یہ ثابت کیا کہ محفوظ پناہ گاہ کا انتخاب اور خفیہ، تنظیمی اندازِ نقل و حمل کسی دعویٰ یا تحریک کے بقا کے لیے کتنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ، ہجرتِ حبشہ نے مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر ایک مثال بھی فراہم کی کہ ایک مذہبی تحریک کس طرح شعوری سیاسی اور سیکیورٹی فیصلے کر کے خود کو محفوظ رکھ سکتی ہے، بغیر اس کے کہ وہ اپنے اخلاقی معیار یا سماجی اصول چھوڑ دے۔

بیعتِ عقبہ اور خفیہ ملاقاتیں

مکی دور کی انٹیلی جنس اور حفاظتی حکمتِ عملی کا سب سے واضح اور منظم مظہر بیعتِ عقبہ کے واقعات میں نمایاں ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے انصار کے ساتھ بیعت کے اس اہم معاہدے کے لیے جس وقت اور جگہ کا انتخاب فرمایا، وہ خالص سیکیورٹی بصیرت کا مظہر تھا۔ ملاقات رات کے آخری پہر میں طے کی گئی، وہ بھی ایسی رات جب چاند نہ تھا تاکہ اندھیرا دشمن کی آنکھوں سے مسلمانوں کو اوجھل رکھ سکے۔[24] یہ فیصلہ دراصل ایک منظم حکمت عملی تھی تاکہ قریش کی سخت نگرانی اور ان کے "عیون" (جاسوس) اس ملاقات کو دیکھ نہ سکیں۔

اس خفیہ ملاقات کے دوران نبی اکرم ﷺ نے خصوصی حفاظتی انتظامات بھی کیے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو بطور "عین" (نگران / چوکی دار) مقرر کیا گیا تاکہ وہ اردگرد کے ماحول پر نظر رکھیں اور اگر قریش کی جانب سے کوئی خطرہ ہو تو

---

[22] محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ للعصر النبوی والخلافۃ الراشدۃ، بیروت: دار النفائس، 1985، ص 47–49

[23] طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، 1967، ج 2، ص 333–336

[24] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار المعارف، 1990، ج 2، ص 41–42

فوراً اطلاع دے سکیں۔[25] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہ صرف دینی و دعوتی رہنمائی کرتے تھے بلکہ عملی حفاظتی اقدامات پر بھی پوری توجہ دیتے تھے۔ یہ حفاظتی تدابیر اس قدر باریک بینی سے کی گئیں کہ بیعت میں شریک ہونے والے افراد کو بھی ہدایت دی گئی کہ اپنی آوازیں آہستہ رکھیں اور غیر ضروری حرکت نہ کریں تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔[26] انصار کے ساتھ اس خفیہ بیعت میں رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ان سے دین کی نصرت کا عہد لیا بلکہ ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اس عہد کے نتیجے میں انہیں قریش کی دشمنی اور پورے عرب کی مزاحمت کا سامنا ہو گا۔ اس لیے انصار کو اس معاہدے کے دوران مکمل رازداری اور سنجیدگی کے ساتھ شریک ہونا ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بیعت میں شامل صحابہ اور انصار کو تاکید کی گئی کہ کوئی غیر متعلقہ شخص قریب نہ آئے اور ہر فرد کو اپنی زبان اور حرکات پر قابو رکھنا ہو گا۔ یہ حکمت عملی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ بیعتِ عقبہ محض ایک مذہبی یا روحانی معاہدہ نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک سیاسی و سیکیورٹی معاہدہ بھی تھا جسے نبی اکرم ﷺ نے نہایت حکمت اور رازداری کے ساتھ ترتیب دیا۔ یہی تدابیر بعد میں مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کی بنیاد ثابت ہوئیں۔

اس تمام مطالعے سے واضح ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت ایک دفاعی انٹیلی جنس اقدام تھا جو دعوتِ اسلام کو بقاء اور استحکام فراہم کرنے کے لیے دستِ دفاع میں رکھی گئی حکمتِ عملی کا اہم جزو تھا۔ نہ صرف اس نے عارضی پناہ دی بلکہ اس کے ذیلی فوائد طویل مدتی تھے: دعوت کے حاملین کی تربیت، بیرونی دنیا کے ساتھ تعلق اور بعد ازاں مکہ کی صورتحال کے بدلنے پر بحفاظت واپسی کی ممکنات کو برقرار رکھنا۔

تجزیہ

مکی دور کی پوری تاریخ کا مطالعہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے محدود وسائل اور سخت حالات کے باوجود ایک منظم انٹیلی جنس وژن (Vision) دیا، جس کے ذریعے دعوتِ اسلام کو نہ صرف زندہ رکھا گیا بلکہ اسے بتدریج ترقی کی راہ پر ڈالا گیا۔ یہ وژن اس بات پر مبنی تھا کہ کسی بھی تحریک کی بقا محض ایمان و ایثار پر نہیں بلکہ درست حکمت عملی، معلوماتی برتری اور دشمن کی چالوں پر نظر رکھنے پر بھی منحصر ہے۔ مکہ جیسے ماحول میں جہاں ہر وقت جاسوسی، دباؤ اور قریشی طاقت کا سامنا تھا، نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو یہ سکھایا کہ کس طرح رازداری برتی جائے، کیسے دشمن کے حالات پر نظر رکھی جائے اور کس طرح ایک کمزور جماعت اپنے تحفظ کو یقینی بنائے۔[27] اس حکمت عملی کا سب سے اہم نتیجہ یہ نکلا کہ خفیہ منصوبہ بندی اور حفاظتی اقدامات نے دعوت کو بچائے رکھا۔ اگر دار الارقم جیسا محفوظ مرکز نہ ہوتا، اگر چھوٹے

---

[25] محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، 1967، ج2، ص352

[26] محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ للعصر النبوی والخلافۃ الراشدۃ، بیروت: دار النفائس، 1985، ص55

[27] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار المعارف، 1990، ج1، ص270–275

گروپوں میں تربیت کا نظام نہ بنایا جاتا اور اگر بیعت عقبہ کے موقع پر انتہائی رازداری اختیار نہ کی جاتی تو قریش اس دعوت کو ابتدائی مرحلے میں ہی کچل دیتے۔ یہی تدابیر تھیں جنہوں نے اسلام کے پودے کو مکہ کے ریگستان میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور پھر یہ پودا مدینہ کی زرخیز زمین میں ایک تناور درخت بن گیا۔[28] مزید برآں، مکی دور کے یہ تجربات مدنی ریاست کے سیکیورٹی ڈھانچے کی بنیاد بنے۔ مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد ایک منظم "انٹیلی جنس نیٹ ورک" تشکیل پایا جس میں دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے باقاعدہ کارندے مقرر کیے گئے، قافلوں اور سرحدوں پر نگرانی کی گئی اور غزوات کے موقع پر معلومات اکٹھی کرنے کے لیے جاسوس روانہ کیے گئے۔ یہ سب دراصل مکہ کے تجربات ہی کا تسلسل تھا، جہاں محدود سطح پر سیکیورٹی شعور پیدا کیا گیا تھا۔[29]

اسلامی تصورِ انٹیلی جنس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اسے محض جنگی ضرورت کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اسے اخلاقی اصولوں کے ساتھ جوڑ دیا۔ قرآن نے مومن بھائی کے خلاف تجسس سے منع کیا لیکن دشمن کے خلاف احتیاط کو مشروع قرار دیا۔ اسی توازن نے اسلامی انٹیلی جنس کو ایک "اخلاقی فریم ورک" میں ڈھالا، جو آج کے دور میں "قومی سلامتی" (National Security) کے تصور سے قریب تر ہے۔ اسلام کا یہ ماڈل واضح کرتا ہے کہ حفاظت و بقا کے لیے معلوماتی برتری ضروری ہے، لیکن اس کے لیے غیر اخلاقی طریقے جیسے جھوٹ، فحاشی یا رشوت استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ خلاصہ یہ کہ مکی دور کے حفاظتی اور انٹیلی جنس اقدامات نہ صرف وقتی تقاضے پورے کرنے کے لیے تھے بلکہ انہوں نے ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھی جو بعد میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اس کے استحکام کے لیے بنیادی ستون ثابت ہوا۔ نبی کریم ﷺ کا دیا ہوا یہ وژن آج کے مسلم معاشروں کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ قومی سلامتی، اخلاقی اصولوں اور اجتماعی بقا کے تقاضوں کو یکجا کر کے ایک متوازن حکمت عملی اپنائی جا سکتی ہے۔

نتیجہ

مکی دور کی انٹیلی جنس اور حفاظتی حکمتِ عملی سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ تحفظ اور سیکیورٹی دعوتِ دین کا لازمی جز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے محدود وسائل اور شدید دباؤ کے باوجود جس حکمتِ عملی سے دعوت کو محفوظ رکھا، وہ امتِ مسلمہ کے لیے ایک ابدی سبق ہے۔ دارِ ارقم کی خفیہ سرگرمیاں، حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ، بیعتِ عقبہ کی رازداری اور قریش کی کڑی نگرانی کے مقابلے میں صحابہ کا حکیمانہ ردِ عمل—all یہ اقدامات اس بات کا عملی مظہر ہیں

[28] محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، 1967، ج2، ص333–336

[29] محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ للعصر النبوی والخلافۃ الراشدۃ، بیروت: دار النفائس، 1985، ص55–60

کہ ایک تحریک کی بقا صرف عقیدہ اور جوش سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے منظم حفاظتی و سیکیورٹی نظام بھی ضروری ہے۔[30]

آج کی مسلم ریاستیں ان تجربات سے کئی سطحوں پر سبق لے سکتی ہیں۔ جدید دنیا میں انٹیلی جنس ادارے قومی سلامتی کے ضامن سمجھے جاتے ہیں، لیکن ان کے طریقہ کار اکثر غیر اخلاقی یا انسانی حقوق کے منافی ہوتے ہیں۔ مکی دور کی سیرت یہ رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ انٹیلی جنس کو قرآن و سنت کی بنیاد پر ایک اخلاقی فریم ورک کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے خلاف معلومات اکٹھی کرنا اور اپنی ریاست یا معاشرے کے تحفظ کے لیے حکمت عملی اپنانا جائز ہے، لیکن اس کے لیے فحاشی، جھوٹ، رشوت یا ناجائز طریقے استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ اس توازن سے اسلامی ماڈل ایک "قومی سلامتی" (National Security) کا ایسا تصور پیش کرتا ہے جو نہ صرف مؤثر ہے بلکہ انسانی و اخلاقی اقدار کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہے۔[31]

اسی تناظر میں ایک اہم سفارش یہ ہے کہ مسلم دنیا میں "اسلامک سیکیورٹی اسٹڈیز" کو ایک مستقل تعلیمی ڈسپلن کے طور پر متعارف کرایا جائے۔ یہ شعبہ نہ صرف اسلامی تاریخ اور سیرتِ نبوی ﷺ کے حفاظتی اصولوں پر روشنی ڈالے گا بلکہ جدید انٹیلی جنس کے چیلنجز کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرنے کے لیے ایک علمی و تحقیقی پلیٹ فارم فراہم کرے گا۔ اس سے مسلم ریاستیں اپنی سلامتی کے اداروں کو اخلاقی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کر سکیں گی اور ایک ایسا ماڈل دنیا کے سامنے پیش کر سکیں گی جو طاقت کے ساتھ انصاف، حفاظت کے ساتھ اخلاق اور تدبیر کے ساتھ دیانت کو یکجا کرتا ہو۔

[30] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت: دار المعارف، 1990، ج 1، ص 270–288

[31] محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، بیروت: دار التراث، 1967، ج 2، ص 352–356